IQBAL REVIEW (66: 3)
(July – September 2025)
ISSN(p): 0021-0773
ISSN(e): 3006-9130

بنگلہ زبان میں اقبال شناسی۔ تاریخی و تنقیدی مطالعہ

Iqbal Studies in Bengali Language: A Historical and Critical Analysis

لطف الرحمٰن فاروقی
سکالر
شعبہ اقبالیات،
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

This study presents a historical and critical analysis of Allama Iqbal's reception in Bengali literature, divided into three distinct phases: the pre-Partition era (until 1947), the Pakistan period (1947–1971), and post-independence Bangladesh (1971 onward). Focusing primarily on the first phase, the article examines how Bengali Muslim intellectuals initially engaged with Iqbal's works through Persian and Urdu before systematic Bengali translations emerged. The famous *Tarana-e-Milli* (translated in 1916–17) became an early cultural bridge, resonating deeply with Bengali Muslims who saw in Iqbal's poetry a reflection of their political and ideological aspirations during the Indian independence movement. The article highlights pioneering translators like Dr. Amiya Chakravarty (who rendered *Sare*

Jahan Se Achha in 1914), Syed Abdul Mannan (awarded for his 1945 Bengali translation of *Asrar-e-Khudi*), and Muhammad Sultan (celebrated for *Shikwa/Jawab-e-Shikwa*). It explores how Iqbal's philosophy influenced three intellectual currents in Bengali literature: Islamic cultural revival, the doctrine of "Khudi" (selfhood), and literary aesthetics. Despite lacking institutional support, early translations were driven by voluntary efforts, gaining momentum after the 1940 Lahore Resolution. Through archival evidence and textual analysis, this paper reveals how Iqbal's ideas were localized in Bengal, often intersecting with—and sometimes contesting—the legacy of Rabindranath Tagore. The study underscores the socio-political motivations behind Iqbal's Bengali reception, offering insights into the transnational dynamics of South Asian intellectual history.

Keywords: Iqbal studies, Bengali translations, *Shikwa*, *Asrar-e-Khudi*, pre-Partition literature, intellectual history.

بنگلہ زبان میں علامہ اقبال کی فکر و شاعری کے مطالعے کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: پہلا دور قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) سے قبل، دوسرا دور پاکستان کے قیام سے لے کر بنگلہ دیش کی تشکیل (۱۹۷۱ء) تک، اور تیسرا دور بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے بعد سے اب تک۔ پہلا دور خصوصی اہمیت کا حامل ہے جب بنگال کے مسلمان اہل علم فارسی اور اردو کے ذریعے اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے، اس لیے اقبال کے کلام کے بنگلہ تراجم کی ابتدائی شکل غیر منظم تھی۔ اس دور میں اقبال کی آواز بنگال پہنچی تو مسلمان دانشوروں نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھا، خاص طور پر "ترانۂ ملی" کا ۱۹۱۶-۱۷ء میں ماہنامہ "الاسلام" میں شائع ہونے والا ترجمہ نمایاں مقبولیت کا حامل رہا۔ اقبال شناسی کی اس ابتدائی تحریک کا محرک ادب کی بجائے سیاسی و تہذیبی عوامل تھے، جس میں ۱۹۳۰ء کے تصور پاکستان اور ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان نے کلیدی کردار ادا کیا۔

اس دور کے اہم مترجمین میں ڈاکٹر امیا چکرورتی سر فہرست ہیں، جنہوں نے ۱۹۱۴ء میں "سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا" کا پہلا بنگلہ ترجمہ کیا۔ واجد علی کی "گلستان" اور ڈاکٹر محمد شہید اللہ کی کتاب "اقبال" (۱۹۴۵ء) نے بھی اقبالیات کو فروغ دیا۔ "شکوہ" و "جواب شکوہ" کے متعدد تراجم ہوئے، جن میں مولانا تمیز الرحمن (۱۹۳۸ء) اور محمد سلطان (۱۹۴۶ء) کے تراجم خاصے مقبول ہوئے۔ سید عبد المنان کا "اسرار خودی" کا ترجمہ (۱۹۴۵ء) اس دور کا اہم کارنامہ ہے جسے اقبال اکادمی پاکستان نے انعام سے نوازا۔ بنگالی ادب میں اقبال کے اثرات تین مکاتب فکر (اسلامی تہذیب، خودی کا فلسفہ اور ادبی تنقید) میں واضح نظر آتے ہیں، جو اقبال کی فکر کی گہری تاثیر کو ظاہر کرتا ہے۔

تین اہم ادوار:

بنگلہ زبان میں اقبال شناسی کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(الف) دور اول: آغاز سے قیام پاکستان تک

(ب) دور دوم: قیام پاکستان سے مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے تک اور

(ج) دور سوم: بنگلہ دیش بننے کے بعد سے تاحال۔

چونکہ ان تینوں ادوار کی الگ الگ خصوصیات ہیں، اس لئے بنگلہ زبان میں اقبال شناسی بھی تین الگ مراحل سے گزرتی ہے۔

(الف) دورِ اول:

قیامِ پاکستان سے پہلے اقبال شناسی

تحریک آزادی ہند کا دور مختلف مراحل سے گزرتا ہوا ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں اسلامی ریاست پاکستان کے قیام کی شکل میں سامنے آیا۔ اس دور کی خصوصیات یہ ہیں کہ تحریک آزادی ہند کی طرح ادبی و ثقافتی سرگرمیاں بھی اس طرح آگے بڑھتی رہیں۔ اس دور میں مسلمانان بنگال کے اہل علم و فن نے فارسی اور اردو میں اپنی علمی اور ثقافتی سرگرمیاں جاری رکھی تھیں۔ اس لئے بنگلہ زبان میں اقبال کے تراجم کی طرف اتنی توجہ نہیں دی گئی کیونکہ اہل دانش کلام اقبال کو براہ راست پڑھ کر سمجھ سکتے تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس دور میں بنگال میں بنگلہ قومیت کی تعصب کی بنیاد پر کوئی تحریک نہ ابھری مسلمانان بنگال اپنی علمی و ثقافتی ضروریات فارسی اور اردو میں پوری کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اقبال کی شاعری جس زمانے میں شمالی مغربی ہندوستان عبور کر کے شمال مشرقی ہندوستان تک پہنچی اس وقت بنگال کے دو شعراء مقبولیت کے عروج پر تھے۔ قاضی نذر الاسلام بنگالی تعلیم یافتہ مسلمانوں کی شاعری کے میدان میں قیادت کر رہے تھے۔ دوسری جانب رابندرناتھ ٹیگور شاعری میں نوبل پرائز حاصل کر کے نہ صرف پورے ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔

اس دور میں جب اقبال کی منفرد آواز بنگال تک پہنچی تو بنگال کے اہل سخن و دانش اس طرف بھی متوجہ ہوئے کیونکہ مسلمانان بنگال نے اس منفرد آواز کو اپنے ہی دل کی آواز سمجھا۔ چنانچہ اقبال کی نظم ''ترانہ ملی'' وہ نظم ہے جس نے بنگلہ زبان میں ترجمہ ہو کر مسلمانان بنگال میں مقبولیت حاصل کی۔ سابق اقبال اکاڈیمی، ڈھاکہ کے نائب صدر میزان الرحمن کے مطابق ۱۹۱۶ء۔۱۹۱۷ء میں ماہنامہ الاسلام میں ترانہ ملی کا ترجمہ شائع ہوا تھا۔[۱]

اقبال کی شاعری کی طرف بنگالی ادیب و شعراء کی توجہ دینے کا محرک فنون لطیفہ نہیں بلکہ سیاسی، معاشرتی اور روایتی ہے۔ یہی وجہ ہے مسلمانان ہند کی بیداری کی تحریک کے زور پکڑنے اور تحریک آزادی کی وسعت کے ساتھ ساتھ فکر اقبال نے اس سیاسی اور تہذیبی تحریک کو حوصلہ عطا کیا اور بنگالی مسلمان ان کی شاعری اور افکار سے متعارف ہوتے گئے۔ چنانچہ اس دور میں بنگلہ زبان میں اقبال شناسی کوئی منظم صورت میں نہیں ہوئی، کیونکہ اس کو کوئی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے کی پشت پناہی حاصل

نہ تھی، اور نہ کوئی منظم تحریک، چنانچہ شائقین کے رضاکارانہ دلچسپی سے تخلیقات اقبال بنگلہ میں منتقل ہوتی رہیں۔ خاص کر کے ۱۹۳۰ء میں پیش کردہ علامہ اقبال کا تصور پاکستان اور ۱۹۴۰ء میں پیش کردہ شیر بنگال اے کے فضل الحق کی قرارداد پاکستان کے بعد اس طرف خاص توجہ نظر آنے لگی۔ یہ وہ دور ہے جب بنگلہ زبان میں ترانہ ملی، شکوہ اور جواب شکوہ کے علامہ اقبال کے افکار و فلسفہ اور حیات و خدمات پر قلمی سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں۔

قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد بنگلہ ادب اور شاعری کے میدان میں تین واضح مکاتب فکر سامنے آئے۔ ایک نے اسلام کے شاندار ماضی اور مسلمانوں کی تہذیبی خدمات پر فخر کرنے کو اپنا موضوع سخن بنایا۔ دوسرے نے اسلام کے حقائق، عقائد اور احساس خودی کو ابھارا اور تیسرا مکتب فکر ادب اور فنون لطیفہ سے متعلق ہے، موضوعات پر غور و فکر کرنے لگا۔ ان تینوں مکتبہ فکر میں سے پہلے دونوں مکاتیب فکر میں اقبال کے اثرات نمایاں ہیں۔ اقبال ہی کے اثر سے یہ دونوں سلسلے مضبوط ہوتے گئے۔

اہل بنگال کو علامہ اقبال سے باضابطہ روشناس کرانے والے کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر امیا چکرورتی ہیں۔ ان کو علامہ اقبال سے بے حد محبت تھی۔ وہ بہت دنوں تک لاہور جا کر ان کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔ وہ پہلے کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر تھے اور بعد میں نوبل انعام یافتہ شاعر رابندرناتھ ٹیگور کے سیکرٹری ہوگئے۔ انہوں نے کلکتہ کے انگریزی اور بنگلہ اخبارات و رسائل میں علامہ اقبال پر مضامین لکھے۔ ان کی کئی مشہور فارسی اور اردو نظموں کا بنگلہ میں ترجمہ کیا۔

انہوں نے سب سے پہلے بنگلہ زبان میں اقبال کی مشہور نظم ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا'' کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۱۹۱۴ء میں کلکتہ سے شائع ہونے والا ماہ نامہ ''الاسلام'' میں شائع ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے متعدد نظموں کا بنگلہ ترجمہ کیا۔ جب یہ نظمیں کلکتہ کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوئیں تو ہر مکتبہ فکر کے لوگوں میں مقبول ہوئی۔ یوں بنگال کی فضا میں ایک نئی آواز گونجی۔ اس آواز نے پڑھے لکھے نوجوان طبقے کو خاص طور پر متوجہ کیا۔ چکرورتی نے نہ صرف اقبال کی نظموں کے نہایت عمدہ ترجمہ کئے بلکہ اس فکر کے تعارف اور تبصرے پر مبنی کئی مضامین بھی لکھے۔ جس کے بعد سے بنگال کے لوگوں نے اقبال کو پڑھنا اور سمجھنا شروع کیا۔[۲]

اسی طرح ابتدائی دور میں ایس، واجد علی بار ایٹ لاء کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ وہ کلکتہ سے ''گلستان'' کے عنوان سے ایک ماہ نامہ پرچہ شائع کرتے تھے جس میں علامہ اقبال کے افکار و پیغامات پر

مسلسل اظہار خیال کرتے تھے۔ دراصل اس پرچہ کا اصل مقصد ہی اقبالیات کی اشاعت تھا۔ اس طرح اقبال کی شاعری اور شخصیات کے کئی پہلو زیر بحث آئے جس سے اقبال کے پیغام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔ اقبال پر واجد علی کی نگارشات پر مشتمل ''اقبالیر پیغام'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے جس میں نظم و نثر شامل ہے۔[۳]

۱۹۴۵ء میں شائع ہونے والی کتاب ڈاکٹر محمد شہید اللہ کے ذاتی کاوشوں کا ثمر ''اقبال'' ہے۔ اس کتاب میں اقبال سے متعلق تمام بنیادی معلومات کو مختصراً پیش کیا گیا ہے۔[۴]

اس سلسلے میں علامہ اقبال کے فلسفہ تعلیم پر خواجہ غلام السیدین کی کتاب کا بنگلہ ترجمہ ''اقبالیر شیکھادارشن'' قابل ذکر ہے جو سید عبد المنان کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

اگرچہ یہ کتاب اپریل ۱۹۵۸ء میں اقبال اکاڈیمی کی جانب سے شائع ہوئی ہے مگر ۴۶-۱۹۴۵ء کے دوران ترجمہ ہوئی اور ترجمہ کے ساتھ ساتھ مولانا اکرم خان کے زیر ادارت کلکتہ سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''مشنیک محمدی'' میں سلسلہ وار شائع ہوتی رہی۔[۵]

۱۹۴۰ء کے بعد علامہ اقبال کی شاعری میں ''اسرار خودی'' کا ترجمہ از سید عبد المنان بے حد اہم ہے۔ اس کتاب کا ۱۹۴۱ء میں ترجمہ شروع ہوا اور ۱۹۴۲ء میں ختم ہوا[۶] اور ۱۹۴۵ء کے ماہ نومبر میں الحمراء لائبریری، کلکتہ اور تمدن پبلی کیشنز ڈھاکہ سے شائع ہوا۔[۷] ۱۹۵۱ء میں اقبال اکادمی پاکستان نے مترجم کو دو ہزار روپے کے انعام سے نوازا۔ شاید مشرقی پاکستان میں اس نوعیت کے ادبی خدمات پر پہلا انعام تھا۔[۸]

شکوہ اور جواب شکوہ:

بنگلہ زبان میں اقبال کے کلام کا اولین اور مقبول ترین ترجمہ شکوہ اور جواب شکوہ ہے۔ یہ نظم بنگلہ زبان میں جتنی مقبول ہوئی شاید اقبال کی کوئی اور نظم یا مجموعہ کلام کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بنگلہ زبان میں شکوہ کے متعدد ترجمے ہوئے۔ ان میں سے اکثر مترجم صاحب کمال اور نامور شاعر و ادیب تھے۔ قاضی نذر الاسلام نے اگرچہ اقبال کی شاعری کا ترجمہ نہیں کیا، مگر ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اقبال کی شاعری کے مداح تھے مگر انہوں نے حافظ شیرازی اور خیام کی شاعری کا بنگلہ میں منتقل کرنے میں اپنے کمال دکھانے کے باوجود اقبال کا ترجمہ نہیں کیا۔

جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ بنگلہ زبان میں شکوہ کے بہت سارے ترجمے ہوئے ہیں، ان مترجمین میں سے کلیم اللہ، مولوی تمیز الرحمن، قاضی اکرم حسین، محمد علی اعظم، ڈاکٹر محمد شہید اللہ، امان الدین احمد، محمد سلطان، میزان الرحمن، قوی غلام مصطفی، منیر الدین یوسف اور الفضل قابل ذکر ہیں۔ مترجم ابوالفضل نے بنگلہ شکوہ کا نام ''شکایت'' رکھا ہے۔[9]

مولانا تمیز الرحمن کا ترجمہ

قیام پاکستان سے پہلے علامہ اقبال کی شکوہ اور جواب شکوہ کے علاوہ شاعری کی کوئی دوسری کتاب بنگلہ زبان میں شائع نہیں ہوئی۔ ان کی دو طویل نظموں کو ایک سے زائد لوگوں نے بنگلہ زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرتے رہے۔ علامہ اقبال کے انتقال سے صرف آٹھ ماہ پہلے چاٹگام کے مولانا تمیز الرحمن نے شاعر مشرق سے شکوہ و جواب شکوہ ترجمہ کرنے کی اجازت چاہی تھی، علامہ نے ان کو بخوشی سے اجازت دیدی اور یہ دعا کی تھی کہ ترجمہ اصل کے مطابق ہو اور اہل بنگال میں مقبول ہو۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ کتاب شائع ہونے سے پہلے ہی علامہ اقبال دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ آخر کار چاٹگام میں منعقدہ علامہ کے تعزیتی جلسے کا افتتاح ''شکوہ'' سے کیا گیا۔ یہ نظم سامعین میں اتنی مقبول ہوئی کہ شائقین اقبال نے اس کی بیس ہزار کاپیاں چھپوا کر بلا قیمت تقسیم کیں۔ اس کے بعد سے چاٹگام کے علماء و خطبا نے جب بھی شکوہ اور جواب شکوہ کے اقتباس سنائے تو مولانا تمیز الرحمن کے ترجمہ سے اقتباس پیش کئے کیونکہ یہ ترجمہ قافیہ و ردیف میں اصل کے آہنگ سے قریب تر ہونے کی وجہ سے دلکش ہے۔ ۱۹۳۸ء سے اب تک اس ترجمہ کے درجنوں ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔[10]

محمد سلطان کا ترجمہ

اسی طرح محمد سلطان کا ترجمہ 'شکوہ اور جواب شکوہ' بے حد مقبول ہوا۔ یہ ترجمہ سب سے پہلے ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔ محمد سلطان مدرسہ عالیہ کلکتہ کے بنگلہ کے استاد رہ چکے ہیں۔ بنگلہ اور اردو دونوں زبانوں میں ان کو دست رس حاصل تھی۔ یہ ترجمہ پہلی بار ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔ مترجم نے بھی علامہ اقبال سے براہ راست ترجمہ کرنے کی اجازت مانگی تھی اور شاعری مشرق نے ان کو بھی بخوشی سے اجازت دیدی تھی۔ چنانچہ کتاب کی اشاعت کے وقت سرورق کو علامہ اقبال کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے اجازت نامہ کی نقل اور بنگال کے شاعر انقلاب قاضی نذر الاسلام کے ہاتھ کی تحریر شائع کر دی گئی۔[11]

قاضی نذر الاسلام اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سلطان کا شکوہ اور جواب شکوہ'' اصل شکوہ اور جواب شکوہ کے ساتھ ملا کر بڑھا۔ ترجمہ کے اعتبار سے اتنا کامیاب ترجمہ یاد نہیں کہ کبھی دیکھا ہو۔ ہندوستان کے ایک عظیم شاعر اقبال کی بے مثال تخلیق شکوہ اور جواب شکوہ ہے۔ اردو بولنے والے اہل ہند کی زبان پر آج شکوہ کا پیغام ہے۔ اس صدا کو ترجمہ کرنا انتہائی مشکل خیال کر کے میں نے بھی اس طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ شاعر سلطان کا ترجمہ پڑھ کر مجھے حیرانی ہوئی۔ اصل خیالات کو ذرا بھی بدلے بغیر اس کی بے بہار روانی اور سادہ و سلیس انداز دیکھنے سے یوں لگا جیسا مغربی ہند کی برقع پوش دوشیزہ کو بنگال کی ساڑھی کے پردے نے اور زیادہ سجایا ہے۔ [۱۲]

چنانچہ یہ ترجمہ بھی کافی مقبول ہوا اور ۱۹۸۴ء کو اسلامک فاؤنڈیشن کی طرف سے تیسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

اشرف علی خان کا ترجمہ

جب مسلمانان بنگال شعر و سخن کے میدان میں قاضی نذر الاسلام کی رہنمائی اور قیادت میں اپنے دکھ درد کی دوا کی تلاش میں سرگرداں تھے اور دل برداشتہ ہو کر اللہ سے شاکی ہوئے تو اقبال کا شکوہ سنائی دیا۔ تب انہیں شکوہ میں اپنے ہی دل کی آواز سنائی دی۔

انتہائی دکھ و مصائب کے مارے ہوئے اشرف علی خان نے شکوہ کا منظوم ترجمہ کیا۔ وہ کلکتہ کے بنگلہ روزنامہ ''مسلمان'' کے مدیر تھے۔ وہ اس نظم میں اپنے ہی دل کی تصویر دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ ان کا ترجمہ لفظی ہونے کے باوجود خلوص سے پر اور مفہوم کے اعتبار سے بڑا واضح تھا۔ آپ بنگلہ کے علاوہ اردو، فارسی اور عربی کے عالم تھے۔ اشرف علی خان ایک انسان تھے۔ انہوں نے نذر الاسلام کے پیغام بغاوت کو اپنے اندر بسا رکھا تھا۔ ان کی اپنی زندگی میں کوئی شکوہ نہیں تھا۔ معاشی پسماندگی اور بدحالی سے پریشان ہو کر بالآخر وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ انہوں نے اقبال کی شکایت کو بنگلہ میں ترجمہ کیا۔ شاید اس لئے کہ اس میں وہ اپنا ردعمل ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ [۱۳] یہ ترجمہ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔ [۱۴] اور اس کے بعد بھی متعدد بار شائع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے۔ مترجم نے اپنے دیباچے میں علامہ اقبال کا تعارف پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد شہید اللہ کا ترجمہ:

ڈاکٹر محمد شہید اللہ نے بھی شکوہ اور جواب شکوہ کا ترجمہ کیا۔ یہ کتاب ۱۹۴۲ء میں رینیساں پرنٹرز سے شائع ہوئی۔ اس ترجمہ کے بارے میں اڈکٹر سید علی احسن کی رائے یہ ہے کہ ''یہ ترجمہ بہت ہی کمزور ہے۔ ترجمہ میں بلاشبہ اصل کو قائم رکھا گیا مگر اصل کی لذت موجود نہیں''۔[۱۵]

چونکہ بنگال کے ماحول میں اقبال کو ہو بہو متعارف کروانا مقصود تھا، اس لئے انہوں نے اس میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ علامہ اقبال کی حیات و خدمات پر ڈاکٹر شہید اللہ کی کتاب 'اقبال' کے پیش لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں ریڈیو پاکستان سے سلسلہ وار بنگلہ ترجمہ نشر ہوتا رہا۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ (سابق) مشرقی پاکستان حکومت نے اس کتاب کی بہت ساری کاپیاں خرید کر بنگلہ زبان بولنے والے اہل سخن و دانش میں تقسیم کی تھیں۔[۱۶]

کوی اقبال:

امیا چکرورتی اور حبیب اللہ بہار کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب ''کوی اقبال'' بلبل ہاؤس، کلکتہ سے ۱۹۴۹ء سے شائع ہوئی تھی۔

اسرار خودی[۱۷]:

مترجم: سید عبد المنان۔

ناشر: بیشیاء شاہیتیا کیندرا (عالمی مرکز ادب)، ڈھاکہ۔

اشاعت بیشیا شاہتیا کیندر اشنگ سکرن۔ ستمبر ۱۹۹۴ء[۱۸]

قیام پاکستان سے پہلے شائع ہونے والی علامہ اقبال کی شاعری کی یہ ایک مکمل اور پہلی کتاب ہے۔ اس میں مترجم کی طرف سے کوئی پیش لفظ نہیں ہے۔ اس جدید ایڈیشن میں شامل مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۵ء میں تمدن پبلی کیشنز سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد سے ایک طویل عرصہ کتاب دستیاب نہیں تھی۔ چونکہ ترجمہ سلیس، آسان اور اصل کے عین مطابق تھا اور ترجمہ نثری ہونے کے باوجود اصل خیالات کو کماحقہ پیش کرتا تھا اس لئے یہ ترجمہ زیادہ مقبول ہوا۔ اس کو شائقین اقبال کے لئے بیشیا شاہیتیا کیندرا کی ''چرایاتا گرانتھامالا سریز'' (ابدی ادب سیریز) کے تحت شائع کیا گیا۔[۱۹]

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اشاعت کے ساتھ مترجم کا کوئی پیش لفظ شامل نہیں اس لئے ترجمہ کے بارے میں مترجم کے ایک دوسرے اقبالیاتی ترجمے کی طرف رجوع کرتے ہیں:

اس وقت تک شاعر اشرف علی خان اور محمد سلطان کے مترجمہ شکوہ اور جواب شکوہ کے علاوہ اقبال کی اور کوئی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ مترجم کسی اور غرض سے کلکتہ میں اپنے دوست شاعر احسن حبیب کے یہاں ایک ہفتہ کے لئے بطور مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ تو ان کی حوصلہ افزائی اور اصرار پر ۱۹۴۱ء میں اسرار خودی کا ترجمہ شروع کیا اور ۱۹۴۲ء میں ترجمہ مکمل ہو گیا تھا۔ مگر ۱۹۴۵ء کے نومبر تک شائع نہیں ہو سکا۔

ترجمہ کرتے ہوئے مترجم اپنے چند فارسی زبان دان دوستوں اور ڈاکٹر نکلسن کے انگریزی ترجمہ The Secrets of the self سے مدد لی تھی۔اقبال اکادمی پاکستان اس ترجمہ کو سراہتے ہوئے مترجم سید عبد المنان کو ترجمہ پر انعام سے نوازا۔[۲۰]

سید عبد المنان نے ''اسرار خودی'' کا ترجمہ کر کے ایک پیش رو کا کردار ادا کیا۔ ان کے بعد متعدد لوگوں نے اس کتاب کی منتخب نظموں یا ان کے حصوں کا ترجمہ کیا۔ ان اہل علم میں سید علی احسن، فرخ احمد، ابوالحسین قابل ذکر ہیں بہر حال ان میں شاعر فرخ احمد کا نام سر فہرست ہے۔ چونکہ یہ کتاب فکر و فلسفہ پر مشتمل ہے، اس لئے عام لوگوں کیلئے سمجھنا آسان نہیں البتہ مترجمین نے اس کو آسان اور سلیس بنانے کی از حد کوشش کی۔

زیر نظر کتاب کے جدید ایڈیشن میں احمد مظہر کا آٹھ صفحات پر مشتمل ایک عالمانہ پیش لفظ شامل کیا گیا ہے۔

جس میں تصور پاکستان کے خالق علامہ اقبال کو بنگلہ قومیت کے طرفداروں کے سامنے ٹیگور کی طرح ایک عظیم شاعر اور فلسفی کے طور پیش کیا گیا۔ اس کے بعد شاعر مشرق کی زندگی اور خدمات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ جس طرح رابندرا ناتھ ٹیگور اپنے شاعری اور فلسفہ کی وجہ سے بنگال سے متعلق ہے اقبال بھی اسی طرح اہل بنگال کے قریب تر ہے بلکہ اقبال مسلم اکثریتی علاقہ بنگال کے لئے ٹیگور سے بھی زیادہ متعلق ہے کیونکہ ٹیگور انسانیت کے شاعر تھے اور ان کے فلسفہ کا سرچشمہ وید اور اوپنشد ہے جبکہ اقبال کے فلسفہ حیات کا سرچشمہ قرآن ہے اور وہ بھی انسانیت کا ہی پیغام دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنگال کے جن نامور اہل علم و دانش نے اقبال کو ترجمہ کر کے ان کے افکار،

فلسفہ و خیالات سے بنگال کو متعارف کروایا۔ ان اہل علم میں ڈاکٹر محمد شہید اللہ، قای عبدالودود، محمد واجد علی، امیاچکرورتی، ابوالفضل، فروخ احمد، سید عبدالمنان، سید علی احسن، منیر الدین یوسف، شنکھاگھوش، محمد محفوظ اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[۲۱]

اس دور میں "شکوہ" اور "جواب شکوہ" کے علاوہ دو کتابیں شائع ہوئیں۔ ا۔ ڈاکٹر محمد شہید اللہ کی "اقبال" اور ڈاکٹر سید عبدالمنان کی مترجمہ اسرار خودی۔ سید عبدالمنان مترجمہ "اقبالیر شیکھادارشن" بھی قیام پاکستان سے پہلے کا ترجمہ ہے، مگر قیام پاکستان سے پہلے شائع نہ ہو سکی۔ البتہ ترجمہ کلکتہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ محمدی کے ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۶ء کے شمارے میں سلسلہ وار شائع ہوتا رہا۔

ذیل میں مذکورہ کتابوں کا الگ سے جائزہ لیا گیا ہے۔

اقبال

مصنف: محمد شہید اللہ

ناشر: رینیساں پرنٹرز، نارتھ بلاک ہال روڈ، ڈھاکہ

سن اشاعت: پیر بھر دیتا شانگ شکرن (اضافہ شدہ ایڈیشن) ۱۹۵۸ء

کل صفحات: ۹۱

قیمت: تین ٹکا۔

ڈاکٹر محمد شہید اللہ معروف اقبال شناس ہیں۔ یہ کتاب اقبالیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو پہلی بار ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی تھی اور ۱۹۴۷ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس کے بعد مزید اضافہ کے ساتھ ۱۹۴۹ء میں شائع کیا گیا اور مزید اضافہ کے ساتھ ۱۹۵۸ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔

مصنف کی تحریر کردہ پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۹ء کا ایڈیشن بے حد مقبول ہوا اور حکومت پاکستان نے مشرقی پاکستان کے عوام میں تقسیم کرنے کی غرض سے اس کی بہت ساری کاپیاں خریدی تھیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ڈھاکہ ریڈیو سے شکوہ اور جواب شکوہ سلسلہ وار نشر کیا گیا۔ اس کتاب کو اخبارات میں بے حد سراہا گیا۔ چنانچہ جدید ایڈیشن کو جدید ترین اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا۔ یہ بات بھی واضح کی گئی کہ کتاب مختصر ضرور ہے مگر ہر طرح سے ہمہ پہلو اور مکمل ہے۔ "موکھابندھا" یعنی پیش لفظ ۱۴ اگست ۱۹۵۸ء کو تحریر کیا گیا۔ یعنی کتاب کی اشاعت پاکستان کے یوم آزادی پر عمل میں آئی۔

یہ مختصر کتاب کل ۹۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں علامہ اقبال کی وہ تصویر شامل کی گئی ہے جس میں شاعر مشرق مسجد قرطبہ میں بحالت تحیتہ ہیں۔

صفحہ میں یعنی صفحہ چار پر ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے شکوہ اور جواب شکوہ پڑھنے کی حالت میں مصنف کی تصویر شامل ہیں۔

فہرست مضامین کے مطابق کتاب کل ۹ مضامین پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ جیبانی (حالت زندگی)

۲۔ بانی (پیغام)

۳۔ اقبال دار شنے خد انتیا (فلسفہ اقبال میں اللہ کی حقیقت)

۴۔ اقبال او نبی پریم (اقبال اور محبت رسول)

۵۔ انانباء بانی (متفرق پیغامات)

۶۔ گرنتھا پر یچئے (تعارف کتب)

۷۔ اقبالیر جیین دار شن (اقبال کا فلسفہ حیات)

۸۔ ترانہ ملی

۹۔ مناجات (دعا)

اس میں اقبال کے فلسفہ حیات کی بخوبی وضاحت کی گئی ہے۔

اگرچہ یہ فہرست مختصر ہے مگر ہر مضمون کو الگ الگ ذیلی مضامین میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حالات زندگی کو مزید نو ذیلی مضامین میں تقسیم کر دیا گیا۔ آغاز ایک دلچسپ واقع سے کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ لاہور میں جب زلزلہ آیا تو اقبال کے خادم علی بخش بے قرار ہو کر بھاگ رہے تھے، جبکہ شاعر مشرق سکون کے ساتھ کتاب پڑھ رہے تھے اور علی بخش کی یہ حالت دیکھ کر اس سے کہا: "علی بخش بھاگانہ کر۔ سیڑھی پر بیٹھارہ"۔ اس میں ان کے بچپن کی زندگی لاہور کی تعلیمی زندگی، استاد کی زندگی، تحصیل علم کے لئے یورپ کا قیام، وطن واپسی، فلسفی شاعر اقبال، اور زندگی کی دیگر مصروفیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کے بعد عنوان 'پیغام' کے تحت شکوہ اور جواب شکوہ پیش کیا گیا۔ اس میں دو خاص باتیں ہیں۔ چونکہ یہ پیغام ریڈیو کے ذریعہ عوام تک پہنچانا تھا اس لئے پہلے مختصر تعارف اور اس کے بعد مختصر وضاحت

پیش کیا گیا جو مکالماتی انداز میں ہے۔ وضاحت کے بعد پہلے اردو متن اور اس کے بعد منظوم بنگلہ ترجمہ پیش کیا گیا۔

اس کے بعد ''اقبال دارشنے خداتتیا'' کے زیر عنوان ''فلسفہ اقبال میں اللہ کی حقیقت'' پر مدلل بحث کی۔ 'اقبال او نبی میرم' یعنی ''اقبال اور حب رسول'' عنوان کے تحت کلام اقبال سے یہ بات ثابت کی ہے کہ اللہ کا محبوب بندہ بننے کے لئے حب رسول لازمی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول الہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں۔ اس سلسلہ میں جو اقتباس پیش کیا گیا، وہ بھی بنگلہ رسم الخط میں فارسی یا اردو اقتباس پیش کیا گیا اور اس کے تحت بنگلہ ترجمہ بھی دیا گیا۔

'اثانیابانی' یعنی 'متفرق پیغامات' کے زیر عنوان کلام اقبال سے مختلف طبقات کے لوگوں کے لئے نصیحت پیش کی گئی۔ اس میں بھی بنگلہ رسم الخط میں فارسی یا اردو اقتباس کے تحت بنگلہ ترجمہ پیش کیا گیا۔

''برامانیر پروتی پرتی اوپادیش، یعنی 'برہمنوں کو نصیحت'۔ 'ناریر پرتی، یعنی 'خواتین سے''۔ دیش بھکتی ''حب وطن''، پشچتیا شبھاتا، یعنی ''مغربی تہذیب'' ''منوشتیا'' ''انسانیت''، یہ سلسلہ صفحہ ۶۷ تک ہے۔

اس کے بعد ''اقبالیر گرانتھاپاریچائے'' یعنی ''اقبال کی کتابوں کا تعارف'' کے زیر عنوان۔ بالترتیب، بانگ درا، اسرار و رموز، پیام مشرق، زبور عجم (پارشیاستوترا) جاوید نامہ (شاشاتاپوستک) بال جبریل (جبرایلیر ڈانا)، ضرب کلیم (موسار جشٹھی، اگھات)، پس چہ باید کرد (آتاپار کینگ کرتابیا) ارمغان حجاز (حجازیر اویاٹوکن) پر جامع بحث کی گئی ہے اور ہر کتاب سے نمونتا بنگلہ رسم الخط میں فارسی یا اردو اقتباس پیش کر کے بنگلہ ترجمہ دیا گیا۔

اس کے بعد 'اقبالیر جیبن دارشن' یعنی 'اقبال کا فلسفہ حیات' کے عنوان سے 'فلسفہ حرکت' تحریک، جہد خودی، ترقی خودی، بیدرای خودی، استحکام خودی اور انسان کامل پر مدلل بحث کی جس میں اردو یا فارسی اقتباس بنگلہ رسم الخط میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بنگلہ ترجمہ بھی دیا گیا۔

اس کے بعد بنگلہ رسم الخط میں ''ترانہ ملی'' اور بعد میں بنگلہ ترجمہ پیش کیا گیا۔ مترجمہ ترانہ ملی کا عنوان ''مسلم جاتیاشنگیت'' رکھا گیا جن کا مطلب ''مسلمانوں کا قومی ترانہ'' ہے۔

اختتام پر مناجات کے عنوان سے ''بانگ درا'' کی نظم ''دعا'' بنگلہ رسم الخط میں پیش کر کے، اس کا بنگلہ ترجمہ ''پرارتھنا'' کے عنوان سے پیش کیا گیا۔ اس طرح شاعر مشرق علامہ اقبال کے بارے میں ایک جامع کتاب پیش کی گئی۔

کتاب اگرچہ ہمہ پہلو ہے مگر کوئی مربوط تصنیف نہیں۔ جو اس لئے بھی نہیں ہو سکتی کہ دراصل یہ کتاب اقبال پر مصنف کے متفرق مضامین اور ریڈیائی مضامین مقالہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱ میزان الرحمن، اقبال دیشے بدیشے (اقبال دیس پردیس میں)، ڈھاکہ ، کراچی، اقبال اکاڈیمی، پروتھوم شنگسکرن، ۱۳۴۷ء، ص۲۵۹

۲ ایضاً ص ۲۶۲-۲۶۱

۳ وفاراشدی، بنگلہ ادب اور اقبال، اقبال ممدوح عالم، مرتبہ سلیم اختر، ڈاکٹر، لاہور، بزم اقبال، طبع اول، ۱۹۶۸ء، ص ۴۸۳-۴۸۲

۴ محمد شہید اللہ، اقبال، ڈھاکہ، رینیساں پرنٹرس، دیتیا شنگسکرن، ۱۹۵۸ء، پرنٹ لائن، صفحہ

۵ سید عبدالمنان، اقبالیر شیکھادارشن، ڈھاکہ، اپریل ۱۹۵۸ء، انوبادا کیر کتھا، (مترجم کی باتیں)

۶ سید عبدالمنان، اقبالیر شیکھادارشن، ایضاً، انوبادا کیر کتھا

۷ محمد ابوطاہر صدیقی علامہ اقبال ڈھاکہ اسلامیک فائونڈیشن بنگلہ دیش پر اتھام پرکاش دسمبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۹۶

۸ سید عبدالمنان، اقبالیر شیکھادارشن، ایضاً، انوبادا کیر کتھا

۹ علی احسن سید، بنگلہ شاہیتیر اتیہریتیا، مرتبہ محمد عبدالحئی، سید علی احسن، ڈھاکہ، احمد پبلشنگ ہاؤس، ششٹا ایڈیشن ۱۹۸۳ء، ص ۳۷۵

۱۰ محمد ابوطاہر صدیقی، علامہ اقبال، ایضاً، ص ۹۵۔۹۴

۱۱ محمد ابوطاہر صدیقی، علامہ اقبال، ایضاً، ص ۹۵

۱۲ نذرول اسلام قاضی، نذرول راچانابالی چتور تھاکھنڈا، مرتبہ عبدالقدیر، ڈھاکہ، بنگلہ اکاڈیمی، نتون شنگسکرن، مئی ۱۹۹۳ء، ص ۴۴

শেকওয়া ও জওয়াবে শেয়া'

"শেকওয়া ও জওয়াবে-শেকওয়া'-মোহাম্মদ সুলতান অনূদিত।

সুলতানের "শেক্ওয়া ও জওয়াবে শেক্ওয়া"র কাব্যানুবাদ পড়লাম আসল "শেকওয়া ও জওয়াবে-শেয়া" পাশে রেখে। অনুবাদের দিক দিয়ে এমন সার্থক অনুবাদ আর দেখোচ্ছ বলে মনে হয় না। ভারতের অন্যতম শ্রেষ্ঠ কবি ইকবালের অপূর্ব সৃষ্টি এই "শেকওয়া ও জওয়াবে-শেক্ওয়া" । উর্দু-ভাষী ভারতবাসীর মুখে মুখে আজ "শেকওয়া"র বাণী। সেই বাণীকে রূপান্তরিত করা অত্যন্ত দুরূহ মনে করেই আমি ওতে হাত দিতে সাহস করিনি। কবি সুলতানের অনুবাদ পড়ে বিস্মিত হলাম, অরিজিন্যাল ভাবকে এতটুকু অতিক্রম না করে এর অপরিমাণ সাবলীল সহজ গতি-ভঙ্গী দেখে। পশ্চিমের বোরকাপরা মেয়েকে বাঙলার শাড়ির অবগুণ্ঠনে যেন আরো বেশি মানিয়েছে।

"شکوہ وجوابِ شکوہ"—محمد سلطان کا ترجمہ۔

سلطان کے "شکوہ وجوابِ شکوہ" کے منظوم ترجمے کو میں نے اصل "شکوہ وجوابِ شکوہ" سامنے رکھ کر پڑھا۔ ترجمے کے اعتبار سے شاید ہی اس سے زیادہ کامیاب ترجمہ کبھی دیکھا ہو۔ ہندوستان کے عظیم ترین شاعروں میں سے ایک، اقبال کی یہ لازوال تخلیق "شکوہ وجوابِ شکوہ" ہے۔ آج "شکوہ" کے اشعار اُردو بولنے والے ہندوستانیوں کی زبان پر عام ہیں۔ میں نے اس پیغام کو منتقل کرنے کا کام انتہائی دشوار سمجھ کر کبھی اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کی۔ لیکن شاعر سلطان کا ترجمہ پڑھ کر حیران رہ گیا کہ کس خوبی سے انہوں نے اصل خیال سے ذرا بھی انحراف کیے بغیر اس کو نہایت شستہ اور رواں انداز میں پیش کیا ہے۔ جیسے مغرب کی برقع پوش خاتون کو بنگال کی ساڑھی کی اوٹ میں اور بھی زیادہ وقار آگیا ہو۔

۱۳ علی احسن سید، بنگلہ شھیتیر اتیبیر متا، مرتبہ محمد عبدالحق، سید علی احسن، ایضاً، ۳۷۶

۱۴ محمد ابوطاہر صدیقی، علامہ اقبال، ایضاً، س ۹۵

۱۵ علی احسن سید، بنگلہ شھیتیر اتیبر تیا، مرتبہ عبدالحی، سید علی احسن، ایضاً، ص ۳۷۸

۱۶ محمد شہید اللہ، اقبال، ایضاً، پیش لفظ

۱۷ سید عبدالمنان، مترجمہ اسرار خودی از اقبال، ڈھاکہ۔ بیشیاہیتیا کیندرا، بیشباشاہیتیا کیندرا ایڈیشن، ستمبر ۱۹۹۴ء، سرورق
আসরারে খুদি ইকবাল
"اسرارِ خودی اقبال"

۱۸ سید عبدالمنان، اسرار خودی، از اقبال، ایضاً، اندرونی صفحہ

বিশ্বসাহিত্য কেন্দ্র প্রকাশনা ১১৬

গ্রন্থমালা সম্পাদক

আবদুল্লাহ আবু সায়ীদ

প্রথম বিশ্বসাহিত্য কেন্দ্র সংস্করণ

ভাদ্র ১৪০১ সেপ্টেম্বর ১৯৯৪:

প্রকাশক

রবিশঙ্কর মৈত্রী বিশ্বসাহিত্য কেন্দ্র ১৪ কাজী নজরুল ইসলাম এভিনিউ ঢাকা ১০০০ ফোন ৫০০৪৭১

কম্পিউটার কম্পোজ বিশ্বসাহিত্য কেন্দ্র কম্পিউটার বিভাগ

মুদ্রণ

সুদীপ্ত প্রিন্টার্স এন্ড প্যাকেজেস ৮/৮ নীলক্ষেত বাবুপুরা ঢাকা ১২০৫

প্রচ্ছদ পরিকল্পনা আমীরুল ইসলাম

মূল্য । পঞ্চান্ন টাকা

ISBN-984-18-0114-X

ترجمہ
عالمی ادب مرکز اشاعت ۱۱۶
سلسلہ کتب کے مدیر:
عبداللہ ابوسعید
پہلا عالمی ادب مرکز ایڈیشن:
بھادرو ۱۴۰۱ء / ستمبر ۱۹۹۴ء
ناشر:
رَوی شنکر مَیتری
عالمی ادب مرکز
۱۴، قاضی نذیر الاسلام ایونیو، ڈھاکا ۱۰۰۰
فون: ۵۰۰۴۷۱
کمپیوٹر کمپوز:
عالمی ادب مرکز، کمپیوٹر شعبہ
طباعت:
سودیپتا پرنٹرز اینڈ پیکیجز

۸/۸ نیلکھیت، بابوپورہ، ڈھاکا ۱۲۰۵
سرورق کا ڈیزائن:
امیر الاسلام
قیمت:
پچپن ٹکا
ISBN-984-18-0114-X

[۱۹] احمد مظہر، بھومیکا، اسرار خودی، مترجمہ سید عبد المنان، ایضاً، ص ۱۲

[۲۰] سید عبد المنان، اقبالیر شیکھا دارشن، ڈھاکہ، ایضاً، اپاکرامالیکا، (مقدمہ)

[۲۱] احمد مظہر، اسرار اخودی، ایضاً، ص ۱۲۔۵